© rasailojaraid.com

۵۔ المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۱۰۲۶۷

۶۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب احادیث الغار: ۳۴۷۵

۷۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب کتابۃ الامامۃ الناس: ۳۰۶۰

۸۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب کتابۃ الامامۃ الناس:: ۳۰۶۱

۹۔ عہد نبوی میں نظام حکم رانی، ڈاکٹر حمید اللہ، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ص ۸۴

۱۰۔ کتاب الاموال، ابو عبید، المکتبۃ التجاریۃ، مصر۔ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام، ۲/ ۱۴۸

۱۱۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب حدیث الغار: ۳۴۷۵۔

۱۲۔ صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب ومن الدلیل علی ان الخمس لنوائب المسلمین۔

۱۳۔ ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، مکتبۃ العبیکان، بیروت: ۱۵/۷۵

۱۴۔ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، ۱/ ۲۸۵

۱۵۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکم رانی، ص ۹۹، ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی، عہد نبوی کا نظامِ حکومت، ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ، ص ۹۴، عبدالحی الکتانی، التراتیب الاداریۃ، دار الارقم، بیروت، ۲/ ۲۲۳

۱۶۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من سیل علماً: ۵۹

۱۷۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی ۔۔: ۱۰۲

۱۸۔ سنن نسائی، کتاب البیوع، باب الرجحان فی الوزن: ۴۵۹۲

۱۹۔ عبدالحی الکتانی، التراتیب الاداریۃ، ۱/ ۳۱۳

۲۰۔ التراتیب الاداریۃ، ۱/ ۲۸۵

۲۱۔ صحیح بخاری، کتاب الہبۃ وفضلھا، باب من لم یقبل الہدیۃ: ۲۵۹۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیر وسوانح

امام طبریؒ اور ان کی تفسیر جامع البیان

ایک مطالعہ

ـــــــــــــــــــ ڈاکٹر احسان اللہ فہد

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ (۲۲۴ـ۳۱۰ھ) صوبۂ طبرستان کے پایۂ تخت آمل میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ سات سال کی عمر میں ہی آپ نے حفظِ قرآن مکمل کرلیا تھا۔ آٹھ سال کی عمر سے نماز کی امامت شروع کردی تھی اور نو سال کی عمر سے حدیث کی کتابت بھی کرنے لگے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن آمل ہی میں حاصل کی۔ جب اپنے شہر کے علماء سے سیراب ہو گئے تو اسلامی دنیا کے علمی مراکز کا رخ کیا۔ علاقہ رے اور گردونواح کی سیر وسیاحت کے بعد بغداد پہنچے، جہاں آپ امام احمد بن حنبلؒ سے کسبِ فیض کرنا چاہتے تھے، لیکن یہاں آئے ہوئے ابھی زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ امام صاحب کا انتقال ہو گیا۔ آپ وہاں سے کوفہ اور بصرہ تشریف لے گئے، لیکن چند ہی روز قیام کے بعد بغداد واپس آگئے اور یہاں کے علماء ومحدثین سے اکتسابِ فیض کیا۔ اس کے بعد مصر کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس دوران میں ملک شام کے متعدد شہروں میں علم حدیث حاصل کرنے کے لیے کچھ مدت تک قیام کیا، پھر مصر پہنچ گئے۔ اس دوران میں آپ نے محمد بن احمد بن حماد الدولابی، ابن حمدی الرازی، ابو مقاتل، ہناد بن السری، ہناد بن موسیٰ اور ابو کریب محمد بن العلاء الہمد انی جیسے محدثین اور علماء سے استفادہ کیا۔

علامہ ابن جریر طبریؒ نے اپنے بچپن کا واقعہ اپنے شاگردِ رشید ابن کامل سے بیان کیا ہے کہ ایک رات میرے والد محترم نے خواب میں دیکھا کہ میں رسول اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ﷺ کے سامنے بیٹھا ہوں اور میرے پاس سنگ ریزوں سے بھرا ہوا تھیلا ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پھینک رہا ہوں۔ انھوں نے تعبیر بتانے والے سے دریافت کیا تو جواب ملا کہ آپ کا بیٹا بڑا ہو کر دین کا سچا پیروکار ہوگا اور شریعتِ اسلامیہ کی خدمت کرے گا۔ چنانچہ میرے والد نے میری تعلیم و تربیت پر بھر پور توجہ دی۔ حالاں کہ میں اس وقت بالکل چھوٹا تھا۔ا؎

باپ نے اپنا خواب بیٹے کے سامنے بیان کیا اور اس کی تعبیر سے بھی آگاہ کیا۔ یہ بشارت امام طبریؒ کے لیے حصولِ علم کی راہ میں مہمیز کا کام کرتی رہی اور انھیں علم و عرفان کے چشمے سے مسلسل سیراب ہونے پر ابھارتی رہی، اس کے بعد تدریس و تالیف میں بھی مددگار ثابت ہوئی۔

امام طبریؒ عالمانہ مزاج اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ ابتداء عمر ہی سے آپ نے عرب اور اسلام کی روایات کے سلسلے میں مواد جمع کرنے کی کوشش کی اور عمر کا باقی حصہ تعلیم و تعلّم اور تصنیف و تالیف میں گزارا۔ آپ کی مالی حیثیت معمولی تھی، پھر بھی آپ نے مالی مفاد کو ہمیشہ نظر انداز کیا اور جلیل القدر اور منفعت بخش مناصب قبول کرنے سے برابر انکار کرتے رہے۔ اس طرح آپ کو ہمہ گیر اور سیر حاصل علمی خدمت کا موقع مل گیا، جس میں ہمہ تن مشغول رہے۔ اپنے خاص مضامین: علم تاریخ، علم فقہ، علم قراءت اور علم تفسیر کے علاوہ آپ نے علم عروض، علم اللّغۃ، صرف و نحو، علم الاخلاق، حتّٰی کہ ریاضی اور علم طب کی طرف بھی خصوصی توجہ مبذول کی۔

مصر سے واپس آنے کے بعد امام طبریؒ دس سال تک مسلکِ شافعی سے وابستہ رہے، پھر اپنا ایک الگ دبستان قائم کیا، جس کے پیروکار خود کو آپ کے والد کی نسبت سے 'جریریہ' کہتے تھے۔ چوں کہ آپ کو شافعی مسلک سے اتنا اختلاف اعتقادات میں نہ تھا جتنا عمل میں تھا، اس لیے یہ تحریک نسبتاً جلد فراموش ہوگئی۔ آپ امام احمد بن حنبلؒ کو حدیث کا امام تو مانتے تھے، لیکن فقہ کے متعلق ان کے خیالات کے چنداں قائل نہ تھے۔ اس وجہ سے حنبلیوں کی ناراضی کا نشانہ بن گئے۔ ان سے آپ کی ناراضی کی خاص وجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۱۸ سے تفسیر سے متعلق تھی۔ یہ دشمنی اس قدر بڑھی کہ آپ کو اپنی حفاظت اور مشتعل ہجوم کے غصے سے بچنے کے لیے اپنے مکان میں نظر بند ہونا پڑا۔ جب تک محکمۂ پولیس نے آپ کی جان کی حفاظت کے لیے سخت کارروائی نہ کی آپ کو سکون میسّر نہ آسکا اور گھر ہی میں قید ہو کر رہنا پڑا۔ آپ کے دشمنوں نے آپ پر ملحدانہ رجحانات رکھنے کا الزام لگا کر قانونی ذرائع سے بھی نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ ۲؎

امام طبریؒ کی تمام تصانیف ہم تک نہیں پہنچیں۔ آپ کی وہ تحریریں ہمیشہ کے لیے گم ہو چکی ہیں جن میں آپ نے اپنے جدید دبستان کے بنیادی اصول بیان کیے تھے۔ البتہ آپ کی مشہورِ زمانہ تفسیر 'جامع البیان فی تفسیر آی القرآن' محفوظ رہ گئی ہے۔ اس میں آپ نے تفسیر سے متعلق تمام قدیم مواد جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ بعد کے مفسرین اس سے برابر استفادہ کرتے رہے ہیں اور مغربی علماء اور مستشرقین کے لیے بھی یہ تفسیر تاریخی اور تنقیدی معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے۔ جو احادیث امام طبریؒ نے خود جمع کی ہیں، ان کی تشریح زیادہ تر لسانیاتی (لغات اور صرف ونحو) کے پہلو سے کی گئی ہے۔ آپ نے ان شرائع وعقائد پر بھی بحث کی ہےجن کا استنباط قرآن کریم سے ہوتا ہے اور بعض جگہ تاریخی تنقید پر انحصار کیے بغیر اپنی آزادانہ رائے کا اظہار کیا ہے۔ ۳؎

جامع البیان فی تفسیر آی القرآن کا شمار مشہور ترین کتبِ تفسیر میں ہوتا ہے۔ مفسرین کے نزدیک تفسیرِ ماثور میں اس کو اوّلین مصدر وماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے ساتھ عقلی تفاسیر میں بھی اس کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے۔ یہ تفسیر تیس (۳۰) ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک یہ تفسیر نادر الوجود تھی، لیکن جب امرائے نجد میں امیر حمود بن عبدالرشید کی ملکیت میں اس کا کامل مخطوطہ دست یاب ہو گیا تو اس کو زیورِ طبع سے آراستہ کر دیا گیا۔ اس طرح تفسیر بالماثور کی اس انسائیکلوپیڈیا سے بہرہ یاب ہونا آسان ہوگا۔ ۴؎

امام طبریؒ نے اپنی تفسیر کو تیس ہزار صفحات میں لکھا تھا، پھر اسے مختصر کر کے تین ہزار صفحات میں کر دیا۔ ابن سبکی اپنی تصنیف 'الطبقات الکبریٰ' میں لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''ابن جریر طبریؒ نے اپنے تلامذہ سے دریافت کیا کہ کیا تمھیں تفسیرِ قرآن سے دل چسپی ہے؟ انھوں نے پوچھا کہ اس کی ضخامت کس قدر ہے؟ کہا کہ تیس ہزار صفحات۔ تلامذہ کہنے لگے: ایسی تفسیر کو پڑھتے پڑھتے عمر ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ آپ نے اس کو تین ہزار صفحات میں مختصر کر دیا''۔ ۵؎

تفسیرِ طبری کو دیگر کتبِ تفسیر کے مقابلے میں دو قسم کا شرفِ تقدّم حاصل ہے: زمانی اعتبار سے بھی اور فنّی اعتبار سے بھی۔ سبقتِ زمانی تو یوں کہ یہ اولین تفسیر ہے جو ہم تک پہنچی ہے۔ اس سے قبل تفسیر کے سلسلے میں جو کوششیں کی گئی تھیں وہ گردشِ ایام کے ساتھ رخصت ہو گئیں اور ان میں سے کچھ بھی باقی نہیں بچا، سوائے ان اقوال کے جن کو طبریؒ نے اپنی کتاب میں سمولیا ہے۔ جہاں تک اس تفسیر کی فنّی برتری کا تعلق ہے تو اس کا دارومدار اس اسلوبِ نگارش پر ہے جو طبریؒ نے اختیار کیا ہے۔

تفسیرِ طبری کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

تفسیر بالمأثور کا اہتمام

امام ابن جریر طبریؒ نے اپنی تفسیر میں احادیثِ نبوی، اقوالِ صحابہ و تابعین کو بنیادی تفسیری مآخذ قرار دیا ہے اور انھی روایات سے استناد کیا ہے جو درایت و روایت کے لحاظ سے قابلِ قبول ہیں۔ آپ اپنی تفسیر میں ان روایات سے مستنبط عمومی فکر کی تلخیص پیش کرتے ہیں، پھر ان روایات کا تذکرہ کرتے ہیں جو تفصیلات میں مختلف ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن کی آیت: **لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ** (البقرۃ: ۲۵۵) ''وہ نہ سوتا ہے اور نہ اسے نیند آتی ہے۔'' کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ طبریؒ لکھتے ہیں:

''اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اونگھ نہیں آتی اور نہ اسے نیند آتی ہے۔ یعنی کم و بیش کسی قسم کی نیند اس پر طاری نہیں ہوتی۔ اربابِ تأویل نے بھی یہی مفہوم مراد لیا ہے۔ مجھ سے بیان کیا المثنیٰ نے، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا عبد اللہ بن صالح نے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے بتایا معاویہ بن صالح نے بہ واسطہ ابو طلحہ بہ واسطہ ابن عباسؓ کہ آیت **لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ** میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سِنَۃٌ سے مراد نیند کی جھپکی ہے اور نوم سے مراد نیند ہے‘‘۔ پھر اسی مفہوم کی احادیث کو مختلف طرق سے روایت کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ احادیثِ نبوی میں اس کا صحیح مفہوم یہی ہے۔۶؎

اسناد میں احتیاط

امام طبریؒ اپنی تفسیر میں اسناد کے تذکرہ اور رواۃ کے بیان میں کافی محتاط واقع ہوئے ہیں۔ جب آپ کے ساتھ کچھ اور لوگ حدیث سنتے تھے تو حدیث روایت کرتے وقت '**حدّثنا**' کہتے تھے اور جب تنہا سنتے تھے تو '**حدّثنی**' کہتے تھے ۔جب سلسلۂ روایت میں کسی کا نام بھول جاتے تھے تو اس کی صراحت فرما دیتے تھے۔مثال کے طور پر آپ نے ایک سلسلۂ روایت کو یوں بیان کیا ہے: ''**حدّثنا أبو کریب قال حدّثنی یحییٰ بن آدم قال حدّثنا اسرائیل عن أبی اسحاق عن فلان العبدی** (یہاں امام طبریؒ نے صراحت کی ہے کہ ان کا نام میرے ذہن سے محو ہو گیا۔) **عن سلیمان بن صرد عن ابی کعب قال۔۔** ۷؎

اسی طرح جب کسی راوی کے سلسلے میں کوئی خاص وضاحت کرنی مقصود ہوتی تو اس کو بھی بیان فرماتے تھے ۔مثال کے طور: ''**حدّثنی مسلمۃ بن محمد بن اسحاق عن أبی عتاب، رجل من تغلب کان نصرانیاً عمراً من دھرہ ،ثم أسلم بعد، فقرأ القرآن و فقہ فی الدین، و کان فیما ذکر أنّہ کان نصرانیاً أربعین سنۃ، ثم عمر فی الاسلام أربعین سنۃ۔۔۔** ۸؎

علم لغت سے استفادہ

امام طبریؒ نے اپنی تفسیر میں لغت سے بھی جا بجا استفادہ کیا ہے۔لغت اور اسالیبِ کلام پر آپ کو پوری قدرت حاصل تھی اور آپ ایک لفظ کے مختلف احتمالی مفہوموں میں کسی ایک کو ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔مثال کے طور پر قرآن کی آیت :**تَرۡمِیۡهِم بِحِجَارَةٖ مِّن سِجِّیلٖ** (الفیل: ۴) ''وہ ان کے اوپر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے۔'' کی تشریح میں امام موصوف لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"سِجّیل کے معانی کے سلسلے میں علماء مختلف الرائے ہیں۔ سِجّیل سے مراد کنکریلی مٹی یا صرف مٹی ہے، یا یہ فارسی لفظ ہے، جس کے معنیٰ مٹی اور پتھر دونوں کے ہیں اور اس کی اصل 'سنگ' اور 'گل' ہے۔۔۔۔ بعض دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ سِجّیل سے مراد قریبی آسمان ہے، جب کہ اس قول کی صحت نہ تو اخبار و روایات سے معلوم ہوتی ہے، نہ عقل اس کی تصدیق کرتی ہے اور نہ علم لغت اس کا ساتھ دیتا ہے۔ اشیاء کے نام یا تو مروّج زبان سے اخذ کیے جاتے ہیں، یا اس کی خبر اللہ خود دیتا ہے۔۹؎

اشعار سے استشہاد

امام طبریؒ لغت اور اشعار کے ماہر تھے۔ مصر میں قیام کے دوران آپ نے طرماح بن حکیم کے اشعار املا کروائے تھے اور ان کے مشکل اور غریب الفاظ کی تشریح و توضیح کی تھی۔ اس مہارت کی وجہ سے آپ نے تفسیر قرآن میں بھی اشعار سے استشہاد کیا ہے۔ مثال کے طور پر آپ نے لفظ 'سورہ' کو قدر و منزلت کے معنیٰ میں لیا ہے اور اس پر نابغۂ ذبیانی کے اس شعر سے استشہاد کیا ہے:

ألم تر أن اللّٰہ أعطاک سورۃ تری کل ملک دو نھا یتذبذب

(اللہ نے تم کو وہ قدر و منزلت عطا فرمائی ہے جس تک بڑے بڑے بادشاہوں کی رسائی نہیں ہوسکتی۔)

وہ کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے 'سورۃ' کو واؤ کے بجائے ہمزہ (سؤرۃ) کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس لفظ کے معنیٰ 'ٹکڑا' کے ہوں گے، یعنی اس کو قرآن کے دوسرے حصوں سے الگ کر دیا گیا ہے، اس طرح اس کا نام 'سورہ' پڑ گیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے اعشیٰ بن ثعلبہ کا شعر بہ طور استشہاد پیش کیا ہے، جس نے ایک عورت کا تذکرہ کیا ہے جس نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا، لیکن اس کے دل میں محبت کا بیج ڈال گئی۔۱۰؎

نحوی قواعد کا تذکرہ

امام طبریؒ نے اپنی تفسیر میں الفاظ کے معانی کی وضاحت کے لیے اکثر و بیش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترنحوی قواعد کا بھی حوالہ دیا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قَالَ سَآوِيٓ إِلَىٰ جَبَلٍ يَعۡصِمُنِي مِنَ ٱلۡمَآءِۚ قَالَ لَا عَاصِمَ ٱلۡيَوۡمَ مِنۡ أَمۡرِ ٱللَّهِ إِلَّا مَن رَّحِمَ (ہود: ۴۳)

''اس نے پلٹ کر کہا: میں ابھی ایک پہاڑ پر چڑھ جاتا ہوں جو مجھے پانی سے بچالے گا۔ حضرت نوحؑ نے کہا: آج کوئی چیز اللہ کے حکم سے بچانے والی نہیں ہے، سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی پر رحم فرمائے۔''

امام طبریؒ لکھتے ہیں کہ اہلِ عرب نے إِلَّا مَن رَّحِمَ میں من کے اعراب پر اختلاف کیا ہے۔ کوفہ کے بعض نحویوں کے نزدیک یہ منصوب ہے، اس لیے کہ 'معصوم' (جس کی حفاظت کی جائے) کا معاملہ 'عاصم' (حفاظت کرنے والا) کے برعکس ہوتا ہے اور جس پر اللہ کی رحمت ہوگی وہ اس سیلاب سے محفوظ رہ سکے گا۔ گویا مَن رَّحِمَ کا منصوب ہونا اس آیت کی طرح ہے: مَا لَهُم بِهِۦ مِنۡ عِلۡمٍ إِلَّا ٱتِّبَاعَ ٱلظَّنِّ (النساء: ۱۵۷)۔ ان لوگوں کے نزدیک مندرجہ بالا آیت میں مَن رَّحِمَ کو مرفوع قرار دینا جائز نہیں ہے۔ لیکن امام طبریؒ کہتے ہیں کہ اگر 'عاصم' کو 'معصوم' کے معنیٰ میں لے لیا جائے تو مَن کو مرفوع قرار دینا جائز ہوگا، کیوں کہ مفعول کو فاعل کی جگہ پڑھنا باعثِ تعجب نہیں۔ یہ اسلوب قرآن میں مستعمل ہے۔ مثال کے طور پر قرآن مجید کا ارشاد ہے:

خُلِقَ مِن مَّآءٖ دَافِقٖ (الطارق: ۶) ''ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا۔''

یہاں 'دافق' 'مدفوق' کے معنیٰ میں ہے۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

فَهُوَ فِي عِيشَةٖ رَّاضِيَةٖ (القارعۃ: ۷) ''وہ دل پسند عیش میں ہوں گے۔''

یہاں 'راضیۃ' 'مرضیۃ' کے معنیٰ میں ہے۔ ۱۱؎

فقہی مباحث کا اہتمام

علامہ طبریؒ مفسرِ قرآن اور محدّث ہونے کے ساتھ فقیہ بھی تھے۔ انھوں نے تمام مروّجہ مسالک کا بہ غور مطالعہ کیا تھا۔ فقہ کے موضوع پر مختلف کتابوں کے مصنف اور خود ایک مسلک کے بانی تھے۔ اسی وجہ سے انھوں نے قرآنی آیات سے متعلق فقہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مباحث کو اپنی تفسیر میں خاص جگہ دی ہے۔ آپ جس رائے کو قرآن وحدیث سے قریب تر پاتے تھے اس کو اختیار کرتے تھے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوٓا إِذَا قُمْتُمْ إِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَیْدِیَكُمْ إِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَی الْكَعْبَیْنِ (المائدۃ: ۶)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو چاہیے کہ اپنے منھ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو، سروں پر ہاتھ پھیر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھولیا کرو۔“

امام طبریؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اہلِ تاویل کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سر کے مسح کی شکل کیا ہو؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مسح اس طرح کیا جائے کہ معلوم ہو، مسح کیا گیا ہے، یعنی سر کے اگلے حصے سے چہرے تک مسح کرے، یا اس کے اوپری حصے پر مسح کرے، یا بال پر مسح کرے، یا سر کے کسی حصے پر مسح کر لے۔ کچھ دوسرے علماء کہتے ہیں کہ مسح پورے سر کا ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ، امام یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مطابق تین انگلیوں سے کم کا مسح جائز نہیں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلق مسح کا حکم دیا ہے، کوئی حد نہیں بتائی ہے۔ اس لیے وضو کرنے والا جس طرح بھی سر کا مسح کرے گا، فریضے کی ادائیگی ہو جائے گی۔ اس لیے کہ اس پر 'مسح رأس' کا اطلاق ہو جائے گا۔“[۱۲]

بے مقصد امور سے احتراز

علامہ طبریؒ نے اپنی تفسیر میں دیگر مفسرین کی طرح لایعنی اور بے کار باتوں کا ذکر کرنے سے پرہیز کیا ہے۔ اس لیے کہ آپ کے نزدیک ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی، جس سے دین کا کوئی فائدہ مقصود نہ ہو۔ مثال کے طور پر سورۂ یوسف کی آیت: وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ (یوسف: ۲۰) ”انھوں نے تھوڑی سی قیمت پر چند درہموں کے عوض اسے بیچ ڈالا۔“ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آپ (حضرت یوسفؑ) کو کتنے درہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے عوض بیچا گیا؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ دَرَاھِمَ مَعْدُوۡدَۃ سے بیس درہم مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں: بائیس درہم۔ وہ گیارہ بھائی تھے، دو دو درہم آپس میں بانٹ لیے۔ کچھ علماء کا خیال ہے کہ چالیس درہم تھے۔''

اس کے بعد امام طبریؒ ان تمام رایوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ انھوں نے گنتی کے چند درہموں کے عوض بیچ دیا۔ اس کی کوئی تعداد متعین نہیں فرمائی، نہ پیمانے کی کوئی تعیین کی۔ قرآن وحدیث میں اس سلسلے میں کوئی واضح رہ نمائی نہیں ہے۔ ممکن ہے، بیس درہم رہے ہوں، یا بائیس درہم، ممکن ہے، چالیس درہم رہے ہوں یا اس سے کچھ کم وبیش۔ بہر حال کتنے بھی رہے ہوں، گنتی کے تھے، وزن سے نہیں تھے۔ اگر ان کا وزن معلوم ہو جائے تو دین میں اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ اور اگر نہ معلوم ہو تو اس سے کیا نقصان ہوگا؟ قرآن کے ظاہر پر ایمان لانا فرض ہے، اس سے آگے کی معلومات کا حصول ہمارے لیے ضروری نہیں۔'' ۱۳؎

اجماع کی اہمیت

ابن جریر طبریؒ نے اپنی تفسیر میں اجماعِ امت کو اہمیت دی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (البقرۃ: ۲۳۰)

''پھر اگر (دوبار طلاق دینے کے بعد شوہر نے عورت کو تیسری بار) طلاق دے دی تو وہ عورت پھر اس کے لیے حلال نہ ہوگی، الّا یہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے سے ہو جائے۔''

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام طبریؒ لکھتے ہیں:

''اگر کوئی شخص پوچھے کہ اس آیت میں 'نکاح' کے معنیٰ مجامعت کے ہیں یا عقدِ نکاح کے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دونوں معنیٰ مراد ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک عورت کسی شخص سے نکاح کرے اور بلا جماع اس کو طلاق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دے دے تو وہ پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اس سے عقدِ نکاح کیے بغیر بدکاری کا ارتکاب کرے تو بھی وہ خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس بات پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ اس آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ عورت پہلے خاوند کے لیے اس وقت حلال ہوگی جب کوئی شخص اس سے نکاح کرنے کے بعد جماع کرے، پھر اسے طلاق دے دے۔ اگر دریافت کیا جائے کہ قرآن میں تو جماع کا ذکر موجود نہیں، پھر اس کی دلیل کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کا مفہوم اجماع امت کی بنا پر متعین کیا گیا ہے۔'' [۱۴]

تفسیر بالرأی سے احتراز

امام طبریؒ نے خود بھی تفسیر بالرأی سے احتراز کیا ہے اور اپنے شاگردوں کو بھی اس کی تعلیم دی ہے۔ تفسیر بالرأی سے مراد قرآن کی ایسی توجیہ ہے جس کی بنیاد سیاسی، گروہی، نسلی اور مسلکی خواہشات و خیالات پر ہو، جو قرآن کریم کے مقصد اور نصب العین سے ہٹے ہوئے ہوں۔

امام طبریؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمے میں ایک فصل قائم کی ہے، جس کا عنوان ہے: 'ان اخبار و روایات کا تذکرہ، جن میں تفسیر بالرأی کی ممانعت آئی ہے'۔ اس فصل میں انھوں نے کئی حدیثیں نقل کی ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے: ''مَن قالَ في القُرآنِ بِرایه فَلیَتَبَوَّأ مَقعَدَه مِنَ النّارِ''۔ (جس نے قرآن میں اپنی طرف سے کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔) اس مفہوم میں کئی احادیث نقل کرنے کے بعد امام طبریؒ نے یہ تبصرہ کیا ہے:

''یہ تمام روایتیں ہمارے اس قول کی سچائی کی شہادت دیتی ہیں کہ قرآن کی تاویل و تفسیر اگر کوئی ایسا شخص کرتا ہے جسے اس کے علم کا ادراک نہیں اور رسول اللہ ﷺ کی توضیحات کی معرفت اسے حاصل نہیں اور نہ علم تاویل سے اسے واقفیت ہے تو محض اپنی رائے کی بنیاد پر اس کی تفسیر کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے، بلکہ اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرنے والا اگر سچی بات کہے گا تو بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خطا کار ہوگا، کیوں کہ اس نے یہ تفسیر اپنی رائے سے کی ہے اور اس کی یہ اصابت اور سچائی ایمان و یقین کی بنیاد پر نہیں، بلکہ ظن و گمان کی پیداوار ہے۔" ۱۵؎

تفسیر طبری کا منہج

تفسیر طبری کا شمار تفسیر بالمأ ثور کی نمائندہ تفاسیر میں ہوتا ہے۔ اس سے پہلے جتنی بھی تفسیریں لکھی گئیں، وہ گردشِ زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ ان تمام تفاسیر کے اقوال کو آپ نے اپنی تفسیر میں محفوظ کر لیا۔ اس کے بعد جو تفاسیر منصۂ شہود پر آئیں، چاہے وہ عربی میں ہوں یا اردو اور فارسی میں، سب تفسیر طبری سے مستفاد ہیں، کوئی بھی مفسر تفسیر طبری سے بے نیاز نہیں رہ سکا ہے۔ ذیل میں اس تفسیر کی چند خصوصیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

طبریؒ جب کسی آیت کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں: "**القول في تأويل قوله تعالىٰ...**" (فلاں آیت کی تفسیر)، پھر اس آیت کی تفسیر کرتے ہیں اور اس کی تائید میں اپنی سند کے ساتھ احادیث اور صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار بیان کرتے ہیں۔ اگر کسی آیت کے بارے میں دو یا دو سے زیادہ اقوال منقول ہوں تو وہ ہر قول کے ضمن میں اقوالِ صحابہ و تابعین سے استشہاد کرتے ہیں۔

مزید برآں طبریؒ صرف تفسیری اقوال ہی نقل نہیں کرتے، بلکہ ایک کو دوسرے کے مقابلے میں ترجیح بھی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ اللّٰهِ وَعِندَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (التوبۃ:۷)

"ان مشرکین کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی عہد آخر کیسے ہوسکتا ہے؟ بجز ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا۔"

امام طبریؒ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین کا یہ اختلاف نقل کیا ہے کہ **إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** سے کون لوگ مراد ہیں؟ کیا ان سے مراد الدیل کے قبیلہ جذیمہ کے لوگ ہیں یا کنانہ کے جذیمہ؟ یا وہ قبائل بکر مراد ہیں جو صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کے ساتھ معاہدے میں شریک تھے اور اس معاہدے کو توڑنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والے صرف یہی لوگ تھے؟ یا خود قریش کے لوگ مراد ہیں؟ یا ان سے قبیلہ خزاعہ مراد ہے؟اس اختلاف کو نقل کرنے کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ’’میرے نزدیک اس میں سب سے زیادہ صحیح رائے ان لوگوں کی ہے جن کے نزدیک ان سے کنانہ کے بنو بکر مراد ہیں، جو اپنے عہد پر قائم تھے اور صلح حدیبیہ کی جن دفعات پر قریش اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان معاہدہ ہوا تھا، اس کی انھوں نے خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ میں نے اس قول کو زیادہ درست اس لیے قرار دیا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے ساتھ کیے گئے عہد کی پابندی کرو جن سے تم نے مسجد حرام میں معاہدہ کیا تھا، بہ شرطے کہ وہ اپنے عہد پر قائم رہیں۔ ہم یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ ان آیات کا اعلان ۹ ھ میں کیا گیا تھا، یعنی فتح مکہ کے ایک سال کے بعد۔ اس وقت مکہ میں کوئی قریشی یا خزاعی کافر نہ تھا، جسے معاہدے کی پاس داری کا حکم دیا جاتا، کیوں کہ باشندگانِ مکہ میں سے جو لوگ تھے وہ ان آیات کے نزول سے پہلے ہی نقضِ عہد کر چکے تھے اور ان سے جنگ ہو چکی تھی۔‘‘[۱۶]

امام طبریؒ نے اپنی تفسیر میں بہ سندِ خود کعب الاحبار، وہب بن منبہ اور سدی سے اسرائیلی اخبار و روایات نقل کی ہیں اور ان پر نقد و تبصرہ کا بھی اہتمام کیا ہے، لیکن بعض جگہوں پر آپ نے صرف اسناد کے ساتھ روایت بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے اور ان کی چھان پھٹک اور جانچ قاری کی صواب دید پر چھوڑ دی ہے۔ ایسے موقع پر قاری کے لیے ضروری ہے کہ اسے اسناد کا مکمل علم ہو، تاکہ جہاں طبریؒ نے روایات پر نقد و تبصرہ نہیں کیا ہے وہاں وہ صحیح رائے قائم کر سکے اور کسی امکانی غلطی سے محفوظ رہ سکے۔

امام طبریؒ کے نزدیک اگر کسی لفظ کے معنیٰ میں اختلاف ہو جائے، جس کی وجہ سے آیت کے مفہوم میں شک وشبہ پیدا ہو جائے تو وہاں کلامِ عرب میں مشہور معنیٰ کو ترجیح دی جائے گی۔ مثال کے طور پر قرآن کی آیت: حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ (ہود:۴۰) ’یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور ابل پڑا۔‘‘ میں لفظ ’تنور‘ کی تفسیر میں امام طبریؒ نے علماء سلف کے درج ذیل اقوال درج کیے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) تنور سے روئے زمین مراد ہے۔

(۲) اس کے معنیٰ صبح کے روشن ہو جانے کے ہیں۔

(۳) اس سے زمین کا بالائی اور عمدہ حصہ مراد ہے۔

(۴) تنور اس بھٹی کو کہتے ہیں جس میں روٹیاں پکائی جاتی ہیں۔

پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اس ضمن میں صحیح تر قول یہ ہے کہ اس سے روٹیاں پکانے کا تنور مراد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کلام عرب میں اس کا یہی معنیٰ معروف ہے۔ کلام الٰہی میں جو لفظ وارد ہوا ہے اس کے وہی معنیٰ مراد لینے چاہیے جو عرب میں مشہور تر ہوں۔ البتہ اگر کسی دلیل سے کوئی اور مفہوم ثابت ہو جائے تو الگ بات ہے، کیوں کہ اللہ نے اس کلام کے ذریعہ عربوں کو اسی لیے مخاطب کیا تھا کہ آسانی سے وہ اس کا معنیٰ و مفہوم سمجھ جائیں۔'' ۱۷ے

عقلی و کلامی تفاسیر میں بھی ابن جریر کا مقام فروتر نہیں ہے۔ آپ نے ایک طرف جہاں اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ و تابعین سے ثابت شدہ اقوال سے تفسیر کی ہے، وہیں آپ کی تفسیر مختلف مسائل میں استنباط اور آپ کی حریت فکر و نظر کی بھی غمّاز ہے۔ آپ کا بنیادی نقطۂ نظر اقوالِ صحابہ و تابعین سے بھرپور استفادہ اور آزاد خیال مفسرین کی پرزور تردید ہے۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ يَأْتِي مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ
(یوسف: ۴۹)

''اس کے بعد پھر ایک ایسا سال آئے گا جس میں بارانِ رحمت سے لوگوں کی فریاد رسی کی جائے گی اور وہ رس نچوڑیں گے۔''

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ طبریؒ لکھتے ہیں: ''بعض مفسرین، جو اقوالِ سلف سے نا آشنا ہیں اور لغت کی مدد سے قرآن عزیز کی تفسیر بالرائی کرنا چاہتے ہیں، وہ 'فِيهِ يَعْصِرُونَ' کے معنیٰ یہ بیان کرتے ہیں کہ بارش کی وجہ سے لوگ قحط سے نجات پا جائیں گے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ 'عصر' نجات کے معنیٰ میں ہے۔ اس ضمن میں وہ اشعارِ عرب سے بھی استشہاد کرتے ہیں، مگر تمام اہلِ علم صحابہ و تابعین کا قول اس کے خلاف ہے۔'' ۱۸ے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام طبریؒ کا قلم، جہاں موقع ملتا ہے، عقلی اور کلامی تفسیر کی جانب گام زن ہو جاتا ہے۔ موصوف جب کسی آیت اور اصول اور عقائد میں تطبیق دیتے ہیں، یا بعض کلامی نظریات کی تردید کرتے ہیں تو اس فن میں بھی آپ کا قلم بلندیوں کو چھوتا ہوا محسوس ہوتا ہے، لیکن کلامی جدلیات ہوں یا تطبیقی مناقشات، وہ کسی صورت میں بھی اہلِ سنت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ 'اختیار' کے مسئلے میں انھوں نے قدریہ کی جو تردید کی ہے، اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ سورۃ الفاتحہ کی آیت **غَيرِ المَغضوبِ عَلَيهِم وَلَا الضَّالِّين** کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "بعض غبی منکرینِ تقدیر نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو ضالین (گم راہ) کہہ کر ضلال کی نسبت ان کی جانب کی ہے۔ یہ نہیں کہا کہ میں نے ان کو گم راہ کیا ہے۔ اسی طرح یہ بھی نہیں کہا کہ وہ دوسروں کو گم راہ کرنے والے ہیں۔ اس سے قدریہ کا یہ عقیدہ ثابت ہوا کہ انسان اپنے اعمال میں خود مختار ہے۔ اس کا قائل عربوں کے اسلوبِ کلام سے یکسر بے گانہ ہے۔ اگر اس بات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جس کو بھی کسی صفت سے موصوف کیا جائے، یا جس کی جانب بھی کسی فعل کو منسوب کیا جائے، وہ فعل سراسر اس کا ہوتا ہے اور کسی دوسرے کا اس فعل کے ساتھ کچھ تعلق نہیں ہوتا۔
>
> اندریں صورت جب ہوا درخت کو حرکت دے رہی ہو تو یہ کہنا کہ 'درخت ہلا' غلط ہوگا، اسی طرح جب زلزلہ آنے سے زمین حرکت کرنے لگے تو یہ کہنا ٹھیک نہیں کہ زمین نے حرکت کی۔ اس لیے کہ نہ درخت خود ہلا ہے اور نہ زمین نے خود حرکت کی ہے، بلکہ ان کو ہلانے والا اور حرکت دینے والا کوئی اور ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قدریہ نے سورۃ فاتحہ کی آیت سے جو استدلال کیا ہے وہ قطعاً بے بنیاد ہے۔ اسی لیے بیش تر آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دینے اور گم راہ کرنے کی نسبت اپنی جانب بھی ہے:
>
> وَ أَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلَى عِلْمٍ وَ خَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَ قَلْبِهِ (الجاثیۃ: ۲۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''اور علم کے باوجود اللہ نے اسے گم راہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی۔''

مذکورہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ ہدایت دینا اور گم راہ کرنا اللہ کا کام ہے، کسی اور کا نہیں۔ مگر قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور عربی میں یہ عام دستور ہے کہ فعل کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے جس سے بہ ظاہر وہ صادر ہوا ہو، اگرچہ وہ فعل کسی اور کی مشیت و قدرت سے ظہور میں آیا ہو۔ جب ایک فعل بندہ خود انجام دے رہا ہو، مگر اس کا حقیقی موجد اللہ تعالی ہو تو اس کو فاعل کی جانب اس اعتبار سے منسوب کیا جائے گا کہ اس نے اللہ کی دی ہوئی قدرت و اختیار سے وہ کام کیا اور اللہ تعالیٰ کی جانب اس لیے منسوب ہوگا کہ موجد حقیقی دراصل وہی ہے۔''۱۹

حواشی و مراجع

۱۔ شہاب الدین ابو عبداللہ، یاقوت الحموی، معجم الادباء، دار المامون، قاہرہ، ج ۱۸، ص ۴۹

۲۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۷۳ء، ج ۱۲، ص ۴۰۲۔ ۴۰۳

۳۔ حوالۂ سابق، ج ۱۲، ص ۴۰۲۔ ۴۰۳

۴۔ غلام احمد حریری، تاریخ تفسیر و مفسرین،، تاج پرنٹرز نئی دہلی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۹۲

۵۔ حوالۂ سابق، ص ۱۹۴

۶۔ الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، المطبعۃ الامیریۃ بولاق، ۱۳۲۵ھ، ج ۳، ص ۶

۷۔ حوالۂ سابق، ج ۱، ص ۱۱

۸۔ حوالۂ سابق، ج ۱۵، ص ۳۴۔ ۳۳

۹۔ حوالۂ سابق، ج ۳۰، ص ۱۹۳

۱۰۔ طبری نے لفظ 'سورۃ' کے لیے بہ طور استشہاد اعشیٰ بن ثعلبہ کا جو شعر نقل کیا ہے وہ یہ ہے:

فبانت وقد أسارت فی الفواد... دصدعاً علی نائها مستطیرا

۱۲۔ الطبری، ابن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۱۲، ص ۲۸

۱۲۔ حوالۂ سابق، ج ۶، ص ۹۷

۱۳۔ حوالۂ سابق، ج ۱۲، ص ۱۰۳

۱۴۔ حوالۂ سابق، ج ۲، ص ۲۹۰

۱۵۔ حوالۂ سابق، ج ۱، ص ۲۷

۱۶۔ حوالۂ سابق، ج ۱۰، ص ۵۹

۱۷۔ حوالۂ سابق، ج ۱۲، ص ۲۵

۱۸۔ حوالۂ سابق، ج ۱۲، ص ۱۳۸

۱۹۔ حوالۂ سابق، ج ۱، ص ۶۴

© rasailojaraid.com